رسائل و مسائل

خواتین کا سفر

نامحرم کے ہمراہ سفر یا بغیر محرم کے سفر کے سلسلے میں درج ذیل سوالات ہیں:

۱- کسی خاتون کا ایک شہر کے اندر ایک مقام سے دوسرے مقام تک بذریعہ ٹیکسی، رکشہ یا کسی اور سواری میں تنہا سفر کرنا جو ۲۰-۲۵ کلومیٹر طویل ہو، ۲- خاتون کا ایک شہر سے دوسرے شہر تک، بغیر محرم بذریعہ بس یا ریل سفر کرنا، ۳- خاتون کا ایک شہر سے دوسرے شہر کے درمیان ہمراہ گھریلو ڈرائیور یا دفتری ملازم ڈرائیور سفر کرنا، ۴- چند خواتین کا مشترکہ طور پر ایک نامحرم کے ہمراہ سفر کرنا، ۵- دو مقامات کے درمیان ۲ یا ۳ گھنٹے کا فضائی سفر بغیر محرم کرنا، ۶- نامحرم کا عمر میں ۶۰ سال سے اوپر ہونا، ۷- خاتون کا بڑی عمر کا ہونا، ۸- دور دراز مقام پر عورت کا بغیر محرم، خواتین کے درمیان چند روز قیام کرنا، ۹- شادی شدہ عورت اور غیر شادی شدہ عورت کا بغیر محرم سفر کرنا، نیز کیا دونوں میں کوئی فرق ہے؟ ۱۰- تبلیغی مقاصد کے لیے سفر کرنے اور نجی سفر کرنے میں کیا محرم و نامحرم کے حکم میں کوئی فرق واقع ہوتا ہے؟

شریعت نے سفر کے لیے خواتین کو کچھ اصولی ہدایات دے دی ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر ایک خاتون کو سفر کرنا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک عورت ایک دن رات کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے اور ایک روایت میں تین دن رات کے سفر کا ذکر ہے۔ دوسری ہدایت یہ ہے کہ کوئی خاتون کسی غیر محرم مرد کے ساتھ تنہائی نہ کرے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "ایک عورت کسی مرد کے ساتھ تنہائی نہ کرے گی مگر ان کا تیسرا شیطان ہوگا"۔ فقہا نے تین دن رات کے سفر کو محرم یا خواتین کی جماعت کے بغیر کرنے کو ناجائز کہا ہے اور دن رات کے سفر کو محرم یا خواتین کی جماعت کے بغیر، خلاف اولیٰ کہا ہے۔ اسی طرح تنہائی، جس میں کوئی دوسرا نہ آسکتا ہو، دروازے بند ہوں، بھی جائز نہیں ہے۔ ان دو اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔ ان اصولوں کی روح یہ ہے کہ سفر تھوڑا ہو یا زیادہ، اس کو پرامن بنانا ضروری ہے لیکن اس کا اہتمام مختلف خواتین کے لحاظ سے مختلف ہے۔ اس لیے اس کے لیے کوئی متعین ضابطہ نہیں دیا جاسکتا بلکہ حالات کے لحاظ سے ایک خاتون اپنے شوہر

اور گھر کی دوسری خواتین اور نظم جماعت کے مشورے سے اس کا تعین کرے گی۔ بعض اوقات دو تین خواتین ایک گاڑی میں متعارف معتمد علیہ اور قابل اطمینان ڈرائیور کے ساتھ سفر کر سکتی ہیں لیکن ناواقف ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ نہیں۔ اس طرح کی صورتوں کے لیے شریعت میں "استفت قلبک" اپنے دل سے فتویٰ پوچھو کا اصول آیا ہے۔ فقہا کی اصطلاح میں اسے "رائے مبتلی بہ" کہا جاتا ہے، یعنی جو خاتون یا شخص مسئلے سے متعلق ہے، اس کی رائے کا اعتبار ہو گا۔ جہاز، بس، گاڑی میں سفر کرنے کی جو مختلف صورتیں ہیں، ان سب میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ فتنے کا خطرہ نہ ہو اور حفاظت کا انتظام ہو۔ بعض اوقات ایک نیک اور بزرگ عمر کے آدمی کی معیت میں خواتین کی ایک جماعت اطمینان سے سفر کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں بغیر محرم کے سفر کی اجازت ہو گی۔ ۲۵/۲۰ میل یا اس سے کم سفر کا فیصلہ مذکورہ اصولوں کی روشنی میں ہر سفر کے بارے میں الگ سے باہمی مشورے سے کیا جانا چاہیے۔ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ آج کل ڈکیتی، دہشت گردی، عصمت و عفت پر حملے کے واقعات بھی ہوتے رہتے ہیں، ان سے حفاظت کا بھی پورا اطمینان کر لیا جائے۔ شہروں میں بسوں اور ویگنوں میں، ٹیکسیوں اور رکشوں میں اکثر سفر پر امن ہوتا ہے لیکن بعض ٹیکسیوں اور رکشوں والے ڈکیتیوں میں ملوث لوگوں سے منسلک ہوتے ہیں، ایسے حالات میں ناواقف ٹیکسی ڈرائیور اور ناواقف رکشہ ڈرائیور کے ساتھ سفر سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اس اصولی جواب میں، بیش تر سوالوں کا جواب آگیا ہے:

۱۔ ایک شہر میں رکشہ، ٹیکسی کے ذریعے بیس پچیس میل طویل سفر کرنا، ۲۔ خاتون کا شہر سے دوسرے شہر بغیر محرم بذریعہ بس یا ریل سفر کرنا، ۳۔ خاتون کا ایک شہر سے دوسرے شہر گھریلو ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنا، ۴۔ چند خواتین کا ایک نامحرم کے ہمراہ سفر کرنا، ۵۔ دو مقامات کے درمیان ۲ یا ۳ گھنٹے کا ہوائی سفر بغیر محرم کرنا، یہ ساری صورتیں جائز ہو سکتی ہیں، اگر سفر میں کسی قسم کے فتنے کا خطرہ نہ ہو، اور ناجائز ہوں گی اگر کسی قسم کا خطرہ ہو۔ یہ فیصلہ شخص متعلق نے خود کرنا ہے کہ خطرہ ہے یا نہیں۔ شریعت اس چیز کو اس پر چھوڑتی ہے، ۶۔ نامحرم کا عمر میں ۶۰ سال سے اوپر ہونا، خاتون کا بڑی عمر کا ہونا، یہ چیزیں فتنے سے اطمینان پیدا کرتی ہیں بشرطے کہ متعلقہ خاتون کو اطمینان بھی ہو اور وہ ایسی صورت میں اپنے آپ کو خطرے سے محفوظ سمجھتی ہو، ۷۔ چند روز دور دراز مقام پر محرم خواتین کے ساتھ قیام کرنا جائز ہے بشرطے کہ فتنے کا خطرہ نہ ہو، ۸۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے لحاظ سے بھی بعض اوقات فرق واقع ہوتا ہے۔

تبلیغی سفر اور نجی سفر اپنے احکام کے لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں میں فتنے سے اطمینان لازمی ہے۔ واللہ اعلم۔ (مولانا عبدالمالک)

اختلافی مسائل پر صحیح رویّہ

ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر، جنھیں بعض حضرات فروعی بھی کہتے ہیں، بہت سے حضرات لڑتے جھگڑتے ہیں، دست و گریباں ہو جاتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا مناسب ہے؟

آپ کے سوال میں تین پہلو قابل غور ہیں: اولاً کیا اختلاف کی بنا پر دست و گریباں ہو جانا مناسب ہے؟ ثانیاً کیا لڑنا جھگڑنا خود جائز ہے اور ثالثاً کیا فروعی، جزوی اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں اختلاف اور جھگڑنے کی گنجایش ہے؟ قرآن و حدیث پر اگر ایک سرسری نظر بھی ڈال لی جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اختلاف کی بنا پر دست و گریباں ہونا کم از کم ایک مومن صالح کے لیے ممکن نہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن پر ہاتھ نہیں اٹھاتا بلکہ وہ دوسرے مومن کی ڈھال ہوتا ہے۔ ایک فرد کے منافق ہونے کے لیے یہ کافی قرار دیا گیا ہے کہ جب بات کرے "تو تو میں میں" پر اتر آئے اور غلط زبان کا استعمال کرے۔ گویا نہ صرف ہاتھ بلکہ زبان سے بھی کسی مسلمان بھائی کو اذیت پہنچانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نامناسب اور ناجائز قرار دے دیا گیا۔ قرآن کریم نے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی جامع اصطلاح سے یہ بات واضح فرما دی کہ باہمی تعلق کی بنیاد شدت پرستی، نفرت، ٹکراؤ اور جھگڑا نہیں بلکہ مودت، رحمت، اخوت، انس، رواداری اور لطف و کرم ہے۔ اسی بنا پر قرآن کریم نے دو بھائیوں کے درمیان جھگڑے کی صورت میں یہ نہیں فرمایا کہ دور سے بیٹھ کر تماشا دیکھو اور نظارہ کرتے رہو کہ ایک، دوسرے کا کیا حشر کر رہا ہے، نہ یہ فرمایا کہ جب کبھی فرصت مل جائے اور کرنے کا کوئی کام نہ ہو تو صرف ایک آدھ نصیحت کر کے دونوں فریقوں کو متوجہ کر دو بلکہ سورۃ الحجرات میں یہ حکم دیا کہ اگر کوئی نزاع اور جھگڑا ہو تو اپنے بھائیوں میں صلح کرا دو۔ (فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُم) اور اگر ان میں سے ایک حق کی طرف آنے کو تیار نہ ہو تو جو حق پر ہو، اس کا ساتھ دو۔ گویا اسلام خاموش تماشائی بننے کی اجازت نہیں دیتا اور نہ انسانی فطرت کی اس کمزوری کو تسلیم کرتا ہے کہ بعض اوقات نزاع اور جھگڑے کی شکل بہت بھلے اور نیک افراد کے معاشرے میں بھی ہو سکتی ہے، اور جب ایسا ہو تو ان کی اصلاح کرنا امت کا فریضہ ہے۔

اب اصل مسئلے کی طرف آیئے۔ اسلام وہ واحد دین ہے جو معقولیت کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ اختلاف کا حق دیتا ہے اور آزادی رائے اور شوریٰ کو دین کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں جس شوریٰ کا ذکر ہے وہ ہدایات پر مہر صداقت ثبت کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک سے زائد موقف، آرا اور اختلاف رکھتے ہوئے باہمی تبادلہ خیالات، دلائل کے تبادلے، غور و خوض کے

بعد عزم الامور [متفقہ فیصلہ] تک پہنچنے کا نام ہے۔ اس سلسلے میں لازمی طور پر مسائل چاہے فروعی و جزوی ہوں یا بنیادی اور کلیدی، ان پر تبادلہ خیال بھی ہو گا اور اختلاف بھی ہو گا، جب ہی تو شوریٰ ہو گی۔ گویا اسلام اختلاف کرنے کو نہ جرم سمجھتا ہے، نہ اس سے روکتا ہے بلکہ تعلیم و تربیت کے ذریعے وہ حریت فکر اور آزادی رائے کی تعلیم دیتا ہے جس میں ایک بوڑھی عورت بھی حضرت عمرؓ سے جب چاہے اور جہاں چاہے سوال کر لے اور ایک خاتون، خلیفہ وقت سے قرآن کی دلیل کی بنا پر مہر کے معاملے میں اختلاف کرتے ہوئے یہ کہہ دے: "عمرؓ! جو حق اللہ نے ہمیں دیا ہے، تم اسے محدود نہیں کر سکتے"۔

اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ غیر ضروری طور پر معمولی سے معمولی مسئلے میں جب تک اختلاف نہ کر لیا جائے، دین مکمل نہیں ہو گا۔ مسائل چاہے معمولی ہوں یا بڑے، اسلام میں اختلاف کرنے اور رکھنے کی گنجائش موجود ہے، شرط صرف یہ ہے کہ اس اختلاف کے لیے قرآن و حدیث سے کوئی بنیاد موجود ہو۔

یہ اختلاف کیوں ہیں؟ انھیں کیسے دور کیا جائے، یہ ایک بالکل الگ مسئلہ ہے اور آپ کے سوال میں اس طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ اس لیے جواب کو آپ کے سوال کی حد تک محدود رکھتے ہوئے میں صرف یہ گزارش کروں گا کہ اسلام نے اختلاف کا جو ادب و اخلاق ہمیں سکھایا ہے اس میں اختلاف رکھتے ہوئے باہمی محبت و اخوت کو شرط قرار دیا ہے۔ اگر ایک بھائی صلوٰۃ میں بالجہر آمین کہتا ہے اور ایک خاموشی سے، اگر ایک سینے کے اوپر قلب کے قریب ہاتھ باندھتا ہے اور ایک ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتا ہے تو جب تک سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے لیے بنیاد موجود ہے، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنی تعبیر اور رائے دوسرے پر مسلط کرے۔ جن حضرات کی طرف ہم رہنمائی کے لیے دیکھتے ہیں، انھیں اپنا امام کہتے ہیں، انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود محبت، احترام، حتیٰ کہ اپنے مسلک سے ہٹ کر ان کی پیروی کرنے میں کوئی تکلف نہیں کیا۔ حضرت امام شافعیؒ نے جب مدینہ منورہ میں نماز پڑھی تو حضرت امام مالکؒ کی رائے کے احترام میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی کہ امام مدینہ ایسا کرتے تھے، گو حضرت امام شافعیؒ کی اپنی رائے اس سنت کے حق میں تھی، جس میں ہاتھ سینے کے اوپر باندھ کر نماز پڑھنا افضل تھا۔

ہم جس امت کے افراد ہیں اس میں ہمارے ائمہ نے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے محبت و احترام کو ہر ہر سطح پر باقی رکھا۔ یہ ہماری اپنی تاریخ، روایت اور ثقافت سے لاعلمی ہے کہ ہم معمولی معمولی اختلافات کو بڑھا چڑھا کر آپس میں دشمنی، جھگڑے اور فساد کا سبب بنا لیتے ہیں۔ قرآن عظیم نے سورہ الحجرات میں جس اخوت کی تعلیم دی ہے، یہ اس کے بالکل منافی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اختلافات جو بعض اوقات بالکل فطری ہوں گے، رکھنے کے ساتھ ساتھ باہمی محبت کو بڑھایا جائے۔

اخوت کا تقاضا ہے کہ اگر ہم کسی بھائی کو کسی دوسرے بھائی کے بارے میں نامناسب زبان استعمال کرتے ہوئے پائیں تو فوراً اس کی اصلاح کریں کہ حدیث نے صاف کہہ دیا: الدین نصیحہ۔ اگر وہ غلط بیانی کر رہا ہے تو فوراً متوجہ کر دیں کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہا ہے جو ایک انتہائی قابل کراہت عمل ہے اور کم از کم ہم اس عمل میں شامل ہونے سے انکار کریں اور عمل سے یہ ظاہر کر دیں کہ ہم کسی مردہ بھائی کا گوشت نہیں کھا سکتے۔ قرآن پاک نے اور حدیث شریف نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ بہت سے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ امت مسلمہ میں ایک سے زیادہ مسالک پائے جائیں۔ آخر کیا وجہ تھی کہ حضرت جبرئیلؑ نے خود نمازوں کے اول اور آخر وقت تشریف لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے اول و آخر اوقات کی تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ ان اوقات کے درمیان نماز پڑھنا درست ہے (بخاری، مسلم)۔ اگر نماز جیسی بنیادی عبادت میں اس بات کی گنجایش رکھی گئی تو اور بہت سے معاملات میں اختلاف کیوں نہیں ہو سکتا۔ ہاں، اختلاف کا جو ادب و اخلاق ہے، اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔

ہمارا اصل مسئلہ اختلاف نہیں اختلاف کے ادب کا ہے۔ جب تک امت مسلمہ کو تعلیم اور ابلاغ عامہ کے ذریعے سے یہ بات نہ سمجھائی جائے گی کہ وہ اخوت و محبت کے ساتھ ساتھ ایک سے زائد مسلک اختیار کر سکتی ہے، اس وقت تک ہم معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر کہتے رہیں گے۔ اسلام چاہتا ہے کہ وسعت و رواداری کو اختیار کیا جائے اور معمولی معمولی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے جن امور میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ان کے قیام میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر تعاون کیا جائے۔ کیا نماز کے اوقات اور نماز میں رفع یدین یا آمین بالجہر پر اختلاف کے باوجود ہم مل کر امت مسلمہ کو صلوٰۃ کی پابندی کی طرف نہیں بلا سکتے؟ کیا ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان تک دین کی دعوت پہنچانے کا کام نہیں کر سکتے؟ کیا یہ عقلی رویہ ہے کہ فرضیت صلوٰۃ جس پر کوئی اختلاف نہیں، اس کو چھوڑ کر نماز کے دوران بعض معمولی اختلاف پر تو مناظرے اور جھگڑے ہوں لیکن جو لوگ خود کو دین کا مبلغ سمجھتے ہیں وہ جس بات پر کوئی اختلاف نہیں، یعنی خود نماز کا ادا کرنا، اسے بھول جائیں، اس پر نہ متوجہ کریں نہ گرفت کریں! دراصل ہمیں اپنے طرز عمل پر تنقیدی نگاہ ڈال کر اس کی اصلاح کرنی ہوگی۔ اس کے بعد معمولی اختلاف ہوں یا بڑے، وہ تشدد، نفرت اور زیادتی پر نہیں ابھار سکتے بلکہ اختلافات کے باوجود ہم ایک دوسرے سے محبت و تعلق قائم رکھ سکتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ خود صحابہ کرامؓ اختلافات کے باوجود ایک دوسرے پر جان دیتے تھے اور اپنے بھائی کے تحفظ کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اسلام اخوت اور بھائی چارے کا نام ہے۔ یہ افتراق و دشمنی کا دشمن ہے اور چاہتا ہے کہ امت ایک جسد واحد کی

طرح ہو جس میں ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو تمام جسم درد کی ٹیسیں محسوس کرے۔ یہ توڑنے کی نہیں جوڑنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لیے آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ آپؐ کو صلہ رحمی کے لیے بھیجا گیا' قطع رحمی کے لیے نہیں۔ آج صلہ رحمی کی ضرورت سب سے زیادہ ہے۔ ہم امت مسلمہ کو صرف محبت و اخوت کے ذریعے ہی دوبارہ اس بلندی پر لے جا سکتے ہیں جو اس کا مقدر تھی۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

منشورات کی تازہ ترین پیش کش

سچی بات

محترم خرم مراد — بھارت کی قید سے

اپنے بیٹے کے نام لکھے گئے خطوط

۲۵ سال بعد ——— پہلی بار

ہر نوجوان کی زندگی کے لئے راہنمائی

صفحات: ۸۸ قیمت: ۱۲/= روپے ۸۰۰/= روپے سیکڑہ

تحفہ رمضان: سال گزشتہ کے ۱۰ کتابچوں میں نئے اضافوں کے ساتھ

آج ہی طلب کیجئے

منشورات

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور 54570 فیکس: 042-7832194